فرمانِ رسولؐ

علامہ سید محمد رضی صاحب قبلہ، کراچی

قرآنی تعلیمات اور قرآنی نظام زندگی کی بنیاد جس واحد نظریہ پر ہے وہ صرف حقیقت پسندی ہے۔ ان تعلیمات کا رُخ نہ شخصیت پرستی کی طرف ہے اور نہ خطہ اور قوم پرستی کی طرف، نہ ان کا تعلق کسی خاص نسل سے ہے اور نہ خاص رنگ وزبان سے۔ ان کا حقیقی مقصد یہی ہے کہ بنی نوع انسان کو اللہ نے جس غرض کے لئے پیدا کیا ہے وہ پوری ہو اور انسان اسی کامل ترین نظام کے مطابق زندگی گزارے جو اللہ نے اس کے لئے مقرر و معین کردیا ہے۔ بنیادی طور پر قرآنی تعلیمات کا خطاب انسانی معاشرے کے ہر فرد سے ہے اور اس خطاب میں امیر و غریب، حاکم و محکوم، آزاد اور غلام، شاہ و گدا سب ہی ایک صف میں نظر آتے ہیں۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل کی تباہی و بربادی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ وہ شرعی احکام کو نافذ کرنے میں مجرم کی شخصیت کو پیش نظر رکھتے تھے۔ یعنی اگر کوئی غریب و مفلس اور چھوٹا آدمی کوئی جرم کرتا تھا تو اس کو سزا دیتے تھے لیکن اگر ویسا ہی جرم کوئی بڑا آدمی کرتا تھا تو اس سے کوئی باز پرس نہیں کی جاتی تھی اس لئے میری امت کو ہمیشہ اس قسم کی تفریق سے بچنا چاہئے۔ حضور انور کی پوری حیاتِ پاک اسی قرآنی اصول کا نمونہ کامل تھی۔ آپ نے کسی موقع پر بھی الٰہی احکام کے نافذ کرنے میں طبقاتی قسم کا شائبہ تک نہیں پیدا ہونے دیا اور اپنی سیرت سے اس بات کو ثابت کردیا کہ اسلام کی تمام تر تعلیمات کی بنیاد صرف حقیقت پسندی پر قائم ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا رخ اور رجحان اُن میں نہیں پایا جاتا۔ قرآن حکیم میں کثیر مقامات پر اسی حقیقت پسندی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں اللہ کا ارشاد ہے: لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ یعنی نیکی اس کا نام نہیں ہے کہ تم عبادت کے وقت مشرق اور مغرب کی طرف اپنے چہرے کرلیا کرو، اور پھر فرمایا گیا ہے دراصل نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ پر سچے دل سے ایمان لائے۔ اسی طرح قیامت کے دن پر، فرشتوں، اللہ کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور اپنا مال اللہ کی محبت میں قرابتداروں، یتیموں، محتاجوں، پریشاں حال مسافروں اور عام ضرورت مند سوال کرنے والوں کو دے اور لوگوں کی گردنیں چھڑانے میں صرف کرے، نماز پابندی سے پڑھا کرے، زکوٰۃ باقاعدہ ادا کیا کرے اور یہ لوگ جب کوئی عہد کریں تو اسے پورا کریں اور فقر و فاقہ اور تکلیف و بیماری میں صبر سے کام لیں اور جب کبھی جہاد کا موقع آئے تو اس میں دشمنان اسلام کے مقابلہ میں ثابت قدم رہیں۔ ایسے ہی لوگ سچے مومن ہیں اور یہی متقی اور پرہیزگار ہیں۔ اس آیت میں بنی نوع بشر کے لئے اعتقادی اور عملی حیثیت سے ایک ایسے نظام زندگی کی تعلیم دی گئی ہے جو اس کے وجود کے ہر ہر جزو پر حاوی ہے۔ اس کو لاکھوں قسم کی پرستشوں سے بچالیا گیا جس میں اس کی ہلاکت وتباہی کے سارے ہی اسباب جمع تھے اور صرف واحد و یکتا اللہ کی عبادت واطاعت کا حکم دیا گیا کہ اسی میں اس کی فلاح ونجات پوشیدہ ہے اس لئے کہ انسان کی نجات اور فلاح غیر اللہ کے بنائے ہوئے ناقص نظام میں ممکن نہیں ہوسکتی اور اگر ہوسکتی ہے تو صرف الٰہی نظام پر عمل کرنے میں۔ قرآن حکیم نے ہمیں

بتایا ہے کہ انسان کا اصلی حاکم اور مالک اور خالق ورازق صرف اللہ ہے اور اسی کے حکم پر چلنے میں اس کی نجات ہے۔

اقتصادی پہلو کے ساتھ ہی اس آیت میں انسان کے عملی شعبوں کے لئے کچھ بنیادی اصول بتائے گئے ہیں۔غرض انسانی اقدار کی حفاظت اور انسان کے انفرادی اور اجتماعی حقوق اور ذمہ داریوں کا جس طرح اسلام نے سبق دیا ہے اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔

حیات انسانی کے ان دونوں پہلوؤں سے متعلق قرآن حکیم نے جو انتہائی مضبوط نظام ہمیں بتایا ہے وہ زمان ومکان کی حدبندیوں سے آگے اور آفاقی ہے اور قیامت تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ یہ عظیم نظام قرآن حکیم کی صورت میں ہمیں رمضان ہی کے مبارک مہینہ میں دیا گیا جس کا ہر دن برکتوں اور رحمتوں کا خزانہ ہے خصوصیت کے ساتھ اس کے آخری جمعہ یعنی جمعۃ الوداع کی فضیلت کی تو انتہا ہی نہیں ہے۔مبارک ہیں وہ اللہ کے مخلص بندے جو اس عظیم دن کی برکتوں سے محروم نہ رہیں۔

✡✡✡

بقیہ۔۔۔۔تجارت اور اسلام

نہ کریں اس لئے کہ یہ غلط خیالات وہ ہیں جو قوم کو تنزل کے اُس عمیق گڑھے میں لے جارہے ہیں جس سے اُبھرنا دشوار نہیں بلکہ ناممکن ہوگا۔

صورت عمل یا طریق علاج: اس کے لئے ضرورت ہے کہ قوم کے افراد کو اپنی کمزوری کا احساس ہو اور وہ اس کے تدارک کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ ہماری قوم میں انجمن سازی کا شوق ہے مگر اتنا اہم کام اور وہ اب تک کسی انجمن کے خدمات سے محروم۔ضرورت ہے کہ ہر ہر محلہ میں انجمنیں قائم ہوں خطباء وواعظین سے قوم کی اقتصادی تباہی اور تجارت کی اہمیت پر تقریریں کرائی جائیں ایسے شخص کو جو دوکان رکھنا چاہے ہر قسم کی اخلاقی امداد پہنچائی جائے اور اس کی دوکان کو اپنی دوکان سمجھ کر اُس کے مفاد کی بہبودی پر نظر ہو۔جو جذبہ قومیت کے تحت میں ہونا چاہئے۔اس لئے کہ اس جذبہ قومیت کے فقدان کا یہ نتیجہ ہے کہ جو بیچارہ اس سلسلہ میں قدم بھی رکھتا ہے۔اُس کو دوسرے ہی دن ناکامی کا منھ دیکھنا پڑتا ہے اس لئے کہ ادھر اس نے دوکان رکھی اور احباب وبرادران کو خبر ہوئی، دوسرے ہی دن آداب عرض اور سلام علیکم، اپنے سابقہ تعلقات اور قدیمی دوستی وروابط کا پتہ دیتے ہوئے یہ سوال پیش ہوا کہ اتنا قرض دے دیجئے۔اس بیچارے کے مشکلات سے کوئی غرض نہیں کہ (ابھی اس کی) پونجی کم ہے۔ابتدائی منزل ہے کتنی دشواریاں پیش ہوں گی اور کیا مشکلات اُس کے سامنے ہوں گے؟ یہ کچھ نہیں، غرض تو اپنے مطلب سے ہے چاہے اُس کا نتیجہ جو کچھ بھی ہو۔اب اگر اُس نے مروت ودوستی سے مرعوب ہوکر خواہش کو پورا کردیا تو دوسرے صاحب تشریف لائے اور تیسرے، نتیجہ یہ ہوا کہ دوکان دوستوں کی نذر ہوگئی اور نفع کے عوض نقصان اُٹھانا پڑا اور اگر کہیں اس بیچارے نے اپنے مشکلات پیش کرتے ہوئے عذر کیا۔تو بس پھر کیا تھا؟ آئینہ خاطر پر غبار آیا۔آبگینوں کو ٹھیس لگی۔ اور کہا کہ جب اتنا بھی نہ ہوا تو اپنے ہم قوم سے فائدہ کیا؟ ہم غیروں کی دوکان سے خریدلیں گے۔اس دوکان سے اب نہ لیں گے۔

یہ نتیجہ ہے قومیت کے نہ ہونے کا اور شخصی مفاد پر قومی ہمدردی کو قربان کردینے کا۔انجام یہ ہوا کہ غیروں نے اُس دکان سے نہ خریدا اپنے احساس قومیت اور اس خیال سے کہ اپنوں کو چھوڑ کر غیروں کے پاس نہ جائیں اور اپنوں نے نہ خریدا اپنے عدم احساس قومیت سے، آخر دکان ٹوٹ گئی اور جو منظور تھا حاصل نہ ہوا۔اگر یہ لیل ونہار ہے اور یہی صورت حال، تو کامیابی معلوم اور ملت اسلام کو آخری سلام۔والسلام۔

(اشاعت اول، ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ مطابق دسمبر ۱۹۵۵ء)

✡✡✡